

# دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ

زید حامد

## PDFBOOKSFREE.PK

PAKISTAN VIRTUAL LIBRARY  
www.pdfbooksfree.pk



Courtesy of www.pdfbooksfree.pk



جناب زید حامد ایک ممتاز دفاعی تجزیہ نگار اور مبصر ہیں۔ وہ دفاعی حکمت عملی سے متعلقہ معاملات میں وسیع تر تجربہ رکھتے ہیں۔ ریاستی اور غیر ریاستی دہشت گردی، قومی سلامتی، دہشت گردی کے خلاف قابل عمل اقدامات، غیر روایتی جنگ، بغاوتیں اور انکاسد باب، نفسیاتی اور معلوماتی جنگ، مذہبی اور فرقہ وارانہ تشدد سے نمٹنے سے متعلق امور میں بھی انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔

مصنف نے موجودہ دور کی جدید ترین گوریلا جنگ جو کہ افغان مجاہدین نے سوویت یونین کے خلاف 80ء کی دہائی میں لڑی تھی اسے نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ عملی طور پر بھی اس میں شریک رہے۔ ان امور پر آپ کی مہارت آپ کے عملی تجربے کی عکاس ہے۔

جناب زید حامد منفرد لکھاری ہیں۔ دفاعی امور پر آپ کے درجنوں کتابچے اور مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ آپ باقاعدگی کے ساتھ بحیثیت ایک ماہر تجزیہ نگار مختلف ٹی وی چینلوں پر مدعو کیے جاتے ہیں۔ اسکے علاوہ آپ ”نیوزون“ ٹی وی چینل پر سیکورٹی اور دفاعی امور کے حوالے سے ”براس ٹیکس“ کے نام سے ایک خاص پروگرام بھی کرتے ہیں۔ ان کی آراء کو معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

آپ نے براس ٹیکس کی بنیاد 2001ء میں رکھی جو کہ ایک منفرد، آزاد اور غیر سرکاری پاکستانی دفاعی تجزیہ نگاری کا ادارہ (سیکورٹی تھنک ٹینک) ہے۔



# دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ



نام کتاب : دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ

مصنف : زید حامد

کمپوزنگ و ڈیزائننگ : وقار احمد صدیقی

ترجمین و آرائش : براس ٹیکس

تاریخ اشاعت : اکتوبر 2008ء

رابطہ : براس ٹیکس

ای میل : [info@brasstacks.biz](mailto:info@brasstacks.biz)

ویب سائٹ : [www.brasstacks.pk](http://www.brasstacks.pk)

نوٹ: اس کتاب کو مصنف کی اجازت سے فلاح عامہ کے لیے تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

## پیش لفظ

زیر نظر کتابچہ معروف تجزیہ نگار اور دفاعی مبصر جناب زید حامد کے اس پروگرام پر مبنی ہے جو ٹی وی ون پر نشر کیا گیا۔ مجوزہ پروگرام کو کتابت (ٹرانسکر ایب) کر کے کتابچے کی شکل دی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ ٹرانسکرپشن سے کتابی صورت میں ڈھالتے ہوئے جملوں اور مواد کو اردو زبان اور گرائمر سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے معمولی تدوین عمل میں لائی گئی۔ بہر کیف پروگرام کے مفہوم اور ہیئت کو حد درجہ برقرار رکھنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس حوالے سے قارئین کے تعمیری مشورے اور تجاویز ہماری لیے رہنمائی کا باعث ہوں گے۔

فرزانہ شاہ

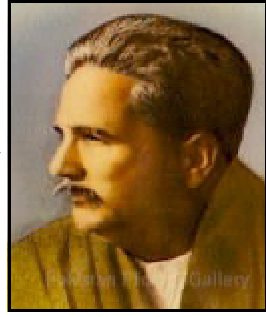
سینئر اینالسٹ

## دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ

امریکہ کی خارجہ پالیسی اپنے طے شدہ مقاصد کے ساتھ جن معاملات کے گرد گھومتی دکھائی دیتی ہے ان میں اسرائیل کا دفاع، دنیا کے تیل اور ایندھن کے ذخائر کا کنٹرول، دنیا کے بحری اور تجارتی راستوں کا کنٹرول، اسلام کے سیاسی تصور کی تباہی، روس کا حصار اور چین کے گھیراؤ جیسے معاملات شامل ہیں۔ اس سے قبل کہ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ کو موضوع بحث بنایا جائے، ضروری ہے کہ اس کے تاریخی پس منظر جس کا تعلق پاکستان سے ہے، پر نظر دوڑائی جائے۔ پاکستان کوئی ایسی ریاست نہیں ہے جو کسی تاریخی حادثے یا ایک سیاسی منصوبے کے تحت وجود میں آئی ہو۔ پاکستان ایک نظریاتی اسلامی ریاست ہے جس کے قیام کی تاریخ کم از کم دو سو سال پرانی ہے۔ ان امور کے بارے میں جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کو سمجھے بغیر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ہونے والے واقعات کو سمجھنا مشکل ہے۔ مسلمانوں اور پاکستانیوں میں پاکستان کے وجود اور سالمیت کے خطرے سے دوچار ہونے کے حوالے سے پیدا ہونے والا خیال شاید ایک فطری امر ہے۔ لیکن یہ امر بھی مسلم ہے کہ پاکستان کو اللہ کے فضل و کرم سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا یہ ہمیشہ قائم رہنے کے لیے بنا ہے۔ پاکستان کے پس منظر پر نظر دوڑائیں تو معاملات واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔

1757ء میں مسلمانانِ پاک و ہند نے جنگِ پلاسی لڑی تھی جو کہ جنگِ آزادی کی پہلی کوشش تھی۔ 1799ء میں ٹیپو سلطان شہید ہوئے۔ 1857ء میں جنگِ آزادی ہوئی۔ 1947ء میں ہم پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ٹھہرے۔ قوموں کی تاریخ میں عروج و زوال آتے رہتے ہیں۔ 1601ء میں انگریزوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی بنائی اور 1857ء میں انہوں نے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ انہیں بھی اڑھائی سو سال لگے۔ مسلمانوں نے ہندوستان پر ایک ہزار سال حکومت

کی، زوال کا عرصہ دو سو سال پر مشتمل تھا۔ قوموں کا عروج ایک نسل یا چند ہائیوں پر مبنی نہیں ہوا کرتا، یہ جلد بازی کا کام نہیں ہے۔ عمل کی ایک ترتیب ہوتی ہے۔ قومیں بنتی ہیں، تاریخ لکھی جاتی ہے۔ جس میں بہت سارے لوگوں کا حصہ ہوتا ہے۔ پاکستان کا قیام علامہ اقبال کے دو خوابوں کی تعبیر تھی۔ انہوں نے ایک خیال دیا کہ اس



خطے میں مسلمانوں کے لیے ایک ریاست قائم کی جائے۔ ان کا دوسرا خیال یہ تھا کہ یہ ریاست مسلمانوں کا ایک ایسا مرکز بنے، جہاں سے اسلام کے عروج کے لیے مسلمان متحد ہو کر اپنا کردار ادا کر سکیں۔

کوئی ریاست وجود میں آتی ہے تو اسکے تین پہلو ہوتے ہیں۔ ایک اس کا نظریہ ہوتا ہے دوسرا اسکی حکومت اور عوام ہوتے ہیں۔ اور تیسرا بذات خود ریاست ہوتی ہے۔

1940ء میں ہم نے جو قرارداد پاس کی تھی اس وقت ہمارے پاس نہ حکومت تھی اور نہ ریاست۔ پاکستان بننے سے پہلے ہمارے پاس صرف نظریات تھے۔ دو قومی نظریہ تھا۔ ایک الگ اسلامی ریاست کے قیام کے لیے 1940ء میں ہم نے ایک قرارداد پاس کی تھی۔ پاکستان بننے کے بعد ہمارے پاس ریاست بھی آگئی اور حکومت بھی۔ نظریہ ہمارے پاس پہلے سے موجود تھا۔ ہمارے رہنماؤں نے پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی ریاست بنانے کے لیے قرارداد مقاصد منظور کی۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ پاکستان کے قیام کے بعد ہم ان وعدوں کو پورا نہیں کر سکے ہم نے غلطیاں کیں، کوتاہیاں کی نتیجتاً 1971ء میں پاکستان دولخت ہو گیا۔ ہمارا نظریہ تقسیم ہوا، ہماری ریاست اور ہماری حکومت ٹوٹ گئی۔

1971ء کے بعد سے پاکستان کی ریاست اللہ کے فضل سے اپنی جگہ قائم ہے۔ ہمیں حکومتوں کا مسئلہ رہا ہے کہ ہماری حکومتیں مستحکم نہیں ہوتیں۔ مگر ایک بات جس کو بنیادی طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے کہ پاکستان کی ریاست ایک مقدس امانت ہے۔ جسے انشاء اللہ کبھی کوئی آنچ نہیں آئے

گی۔ اس نقطے کو سمجھنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ پاکستان ایک تاریخی حیثیت کا حامل ملک ہے جس کا قیام مسلمانوں کی فلاح اور عروج کے لیے عمل میں لایا گیا۔ پاکستان کا حصول مسلمانوں کی ان دو سو سالہ کاوشوں کا ثمر ہے جو انہوں نے انگریزوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے سرانجام دیں۔ اس لیے پاکستان کو ایک عام ریاست سمجھنا درست نہیں ہے۔

اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ پاکستان نے انہیں کچھ نہیں دیا اور پاکستان نے وہ مقاصد حاصل نہیں کیے، جن کی توقع کی جاتی رہی ہے اور اس کا علاج خدا نخواستہ یہ ہے کہ پاکستان کو توڑ دیا جائے، تو وہ نہ مسلمانوں کا دوست ہے اور نہ ہی پاکستان کا۔ پاکستان کے مسلمان گنہگار تو ہو سکتے ہیں مگر یہ نہ کافر ہیں اور نہ منافق۔ یہ بات ہم کیوں کہہ رہے ہیں؟ یہ بات اس لیے ضروری ہے کہ جب ہم آگے جا کر دہشت گردی کے خلاف جنگ کی صورتحال کو دیکھیں تو اس میں یہ عنصر ضرور آئے گا کہ پاکستان کے لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ سے پیار کرنے والے ہیں۔ ہم گناہگار ہیں، ہم نے غلطیاں کیں، پاکستان کی ریاست نے غلطیاں کیں، پاکستان کی عوام نے غلطیاں کیں، حکومتوں سے غلطیاں سرزد ہوئیں، ہمارے مشاہیر نے غلطیاں کیں، ہمارے علماء نے غلطیاں کیں، ہمارے مفکرین، فلاسفر اور ذرائع ابلاغ نے غلطیاں کیں مگر اس کے باوجود یہ لوگ مسلمان ہیں۔ اگر کوئی اس چیز کو بنیاد بنا کر کہ پاکستان کے لوگ کافر اور منافق ہو چکے ہیں۔ یہ سمجھ لے کہ انہیں بے دریغ قتل کیا جاسکتا ہے تو یہ پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف ایک بہت بڑی سازش ہے۔ اس لیے یہ امر واضح ہے کہ یہ جو کوئی بھی کر رہا ہے وہ کسی نظریے یا کسی ایجنڈے کے تحت ہی کر رہا ہے۔

یقیناً ایسے غاصب صیہونیت کے ایجنڈے کی پیروی کر رہے ہیں۔ امریکہ میں ایک یہودی

لابی ہے جس کا نام امریکن انٹرپرائز انسٹیٹیوٹ (American Enterprise Institute)

ہے۔ اس نے ”نئی امریکن صدی“ (New American Century) کے نام سے ایک منصوبہ

شروع کیا تھا۔ اس کے تحت فلسفیانہ، تاریخی، سیاسی اور اقتصادی تحقیقات شروع کی گئیں۔ جس میں

انہوں نے ایک سوچ دی کہ اکیسویں صدی شروع ہو تو امریکہ دنیا پر کیسی بظاہر ہو سکتا ہے۔ یہ وہ



حکمت عملی تھی کہ جس کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے بہت سوچ بچا رکھی۔ امریکہ نے اپنی بیرونی پالیسی کے عناصر اسی ویژن اور سوچ کو مد نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیئے۔

1996-97ء کی بات ہے، جب یہودی لابی نے منصوبہ سازی کی اور ایک حکمت عملی طے کی جس کے تحت یہ طے پایا گیا کہ امریکہ نے اکیسویں صدی میں دنیا پر مکمل قبضہ حاصل کرنا ہے۔ آپ Google پر جائیں اور امریکن انٹر پرائز انسٹیٹیوٹ ٹائپ کریں تو دیکھیں کیا نکلتا ہے؟۔ اکیسویں صدی میں امریکہ کے مقاصد کے حوالے سے وہ ذکر کرتے ہیں کہ اگر ہم نے پوری دنیا میں خوزیز جنگیں شروع کرنی ہیں تو ہم پوری امریکی قوم کو اس وقت تک بیدار نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے ساتھ ایک اور پرل ہاربر ”Pearl Harbour“ نہ دہرایا جائے یعنی جس طرح دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں کے ”پرل ہاربر“ پر حملے کے بعد پوری امریکن قوم دوسری جنگ عظیم میں کود پڑی تھی۔ یہ بتانا ضروری ہے کہ امریکہ کو ایک پرل ہاربر کی ضرورت تھی، جو انہوں نے نائن ایون کی صورت میں حاصل کیا۔



یہاں یہ ایک دلچسپ امر بھی سامنے آتا ہے کہ 1997-1998ء میں طالبان امریکہ سے براہ راست مذاکرات کر رہے تھے۔ یہ بات لوگوں کو عجیب لگی کہ طالبان اور امریکہ میں کیا مذاکرات ہو رہے تھے؟ ایک امریکی تیل کمپنی یونو کال (UNOCAL) جو کہ ترکمانستان سے افغانستان اور گوادری تک ایک گیس

پائپ لائن بچھنا چاہ رہی تھی، نے طالبان سے گفت و شنید کی۔ جس سے بہر طور یہ تاثر زائل ہوتا ہے کہ طالبان دنیا سے بات نہیں کرتے تھے۔ ملا عمر نے اپنی ٹیم بھیجی۔ امریکہ میں مذاکرات ہوئے۔ کچھ وجوہات کی بنا پر بات چیت ختم ہو گئی۔ طالبان نے اس معاہدے کے نکات اور شرائط کو تسلیم نہیں کیا اور یوں یہ بات چیت کسی حتمی نتیجے پر پہنچے بغیر ہی ختم ہو گئی۔ اس کے بعد یونو کال نے

1998 میں امریکی سینیٹ کی منتخب کمیٹی کو ایک بریفنگ میں بتایا کہ طالبان کے ساتھ ہمارے مذاکرات کسی حتمی نتیجے تک نہیں پہنچ پائے اور یہ کہ ہمیں وسطی ایشیا کے گیس اور تیل کے وسیع ذخائر کی ضرورت ہے۔ ان ذخائر تک رسائی کے لیے سب سے آسان راستہ افغانستان اور ترکمانستان سے ہوتے ہوئے گوادرتک پہنچنے کا ہے۔ لہذا ہمیں افغان حکومت کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

القاعدہ اور طالبان سے پہلے ایک بات سمجھنا ضروری ہے کہ امریکہ نے افغانستان میں قبضہ کرنے کے بعد جس شخص کو اپنا نمائندہ بنایا وہ یونوکال کا ملازم تھا اور اس کا نام ہے حامد کرزئی جو کہ افغانستان کے موجودہ صدر ہیں۔ یہاں سے یونوکال کے اس اثر و رسوخ کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو کہ امریکی خارجہ پالیسی میں موجود ہے۔ آج کے افغان طالبان، ان افغان مجاہدین کی اولاد ہیں جنہوں نے روس کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ موجودہ طالبان نے 80ء اور 90ء کی دہائی میں دنیا میں آنکھ کھولی۔

جہاں تک القاعدہ کا تعلق ہے تو یہ تنظیم عرب ممالک کے ان مجاہدین پر مشتمل ہے جنہوں نے افغان جہاد میں حصہ لیا تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ان کی باقیات ہیں۔ طالبان اور القاعدہ کے نظریات میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مثلاً طالبان پوری دنیا کے لیے جہادی نہیں ہیں وہ صرف اپنے ملک کے لیے جہاد کر رہے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ افغانستان کو ہم غیر ملکی تسلط سے آزاد کروالیں۔ جبکہ القاعدہ پوری دنیا کو اپنا میدان جنگ اور آپریشن تھیٹر سمجھتی ہے۔ نائن الیون سے پہلے کے اہم واقعات میں گوتم بدھ کے مجسموں کا توڑا جانا طالبان حکومت کا ایک ایسا قدم تھا جس کی وجہ سے سعودی عرب اور پاکستان کو پوری دنیا میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ یہ وہ دو بڑے ممالک تھے جنہوں نے طالبان حکومت کو تسلیم کیا تھا۔ ان دونوں ممالک نے طالبان حکومت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ صاحب آپ پہلے مسلمان نہیں ہیں۔ چودہ سو سال سے افغانستان مسلمان ملک ہے جہاں سے صحابہ کرامؓ کا بھی گزر ہوا ہے۔ مسلمانوں کی بڑی بڑی حکومتیں آئی ہیں آج تک کسی نے بدھا کے بتوں کو نہیں چھیڑا۔ حقیقت یہ ہے کسی کو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ طالبان نے بتوں

کو کیوں توڑا۔ اسی بنا پر طالبان کے پاکستان اور سعودی عرب سے بھی تعلقات تھوڑے خراب ہوئے۔ یہ سب نائن الیون سے پہلے ہوا تھا۔ ایک بات سمجھنے کی ہے کہ طالبان سیدھے سادھے لوگ تھے۔ وہ بہت چالاک نہیں تھے۔ ملا عمر کے بارے میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں لوگوں کو ان کے نظریات سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ مگر وہ ایک سچا، کھرا اور سخت گیر پٹھان ہے۔ ذاتی طور پر وہ بہت اچھا، نیک دل اور ایماندار آدمی ہے۔ ملا عمر کی تعریف اس لیے کی جا رہی ہے کہ وہ دہشت گرد نہیں بلکہ اس کا مسئلہ سخت گیری ہے۔ جو نظریات طالبان نے بنائے تھے وہ ان پر مفاہمت کے لیے تیار نہیں تھے۔ ملا عمر اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ وہ ایک ایماندار آدمی ہے۔

نائن الیون کے حوالے سے جو فلم (Fahrenheit 9/11) بنائی گئی اس میں بھی کہا گیا ہے کہ القاعدہ یہ آپریشن نہیں کر سکتی۔ اس کی انکوائری بھی امریکہ نے ابھی تک سامنے نہیں آنے دی۔ ہنری کسنجر کو انکوائری کا سربراہ مقرر کر دیا گیا۔ مگر تیسرے دن وہ استعفیٰ دے کر گھر چلا گیا۔ دوسری بات یہ سامنے آئی ہے کہ نائن الیون کے واقعہ سے پہلے ہی اسرائیلی ٹیمیں نیوجرسی میں موجود تھیں اور پورے حملے کی فلم بنا رہی تھیں۔ انہوں نے اس پر خوشیاں منائیں جس پرائیف بی آئی نے انہیں گرفتار کیا۔ یہ بات ریکارڈ پر موجود ہے۔ ایف بی آئی کا ریکارڈ بھی یہ کہتا ہے کہ اسرائیلی اس آپریشن کی فلم بنی کر رہے تھے۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ انکوائری کیوں رکوائی گئی۔ امریکیوں کی اپنی سوچ ہے کہ دنیا میں کہیں بھی ان کے مقاصد پر حملے ہوں تو ان کی سخت جانچ پڑتال کروائی جاتی ہے۔ ایسے کچھ واقعات ہیں جن کی انکوائری انہوں نے خود رکوائی اور اسی سے ان کی منافقت واضح ہو کر سامنے آتی ہے۔ جنرل ضیاء کے حادثے کی انکوائری رکوائی گئی۔ نائن الیون کے حادثے کی انکوائری بھی مکمل نہ ہونے دی گئی۔ یہ رپورٹ کہ امریکہ کو ایک اور پرل ہاربر جیسے واقعے کی ضرورت ہے، سے ثابت ہوتا ہے کہ نائن الیون ایک بہت بڑی سازش تھی، جسے بڑے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس میں یہ امکانات بھی موجود ہیں کہ اس سازش میں بعض بڑی طاقتیں بھی شامل ہیں۔

امریکی خارجہ پالیسی کے جتنے بھی مقاصد ہیں وہ زیادہ تر صہیونی ہیں۔ اس چیز کو حقیقت میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جیسے ہی نائن الیون کا واقعہ ہوا پوری دنیا میں ایک طوفان برپا ہو گیا کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ اب ایک بحث جاری تھی کہ نشانہ کس ملک کو بنایا جائے۔ اسرائیل کے اپنے مفادات تھے وہ چاہتا تھا کہ عراق یا ایران کو نشانہ بنایا جائے یا پاکستان کو پہلے نشانہ بنایا جائے۔ جو امریکی خارجہ پالیسی کے اپنے کھلاڑی تھے، یہ چاہتے تھے کہ افغانستان کو پہلے ٹارگٹ کیا جائے۔ انڈیائی نے تو امریکہ کو اپنے ہوائی اڈے بھی استعمال کرنے کی پیشکش کر دی تھی کیونکہ وہ پاکستان پر حملہ کروانا چاہتا تھا۔ پاکستان تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کا بغور جائزہ لے رہا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی کہ جب امریکہ نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ حملہ کرنا ہے مگر سوال یہ تھا کہ پہلے حملہ کس ملک پر کیا جائے؟

لوگ اکثر ایک سوال کرتے ہیں کہ پاکستان نے امریکہ کا ساتھ دینے میں اس قدر جلدی کیوں کی؟ زمینی حقائق کا جائزہ لیا جائے تو علم ہوتا ہے کہ بھارت اپنی فضائی حدود امریکہ کو دینے کے لیے تیار تھا۔ اس وقت پاکستان سے کہا گیا کہ افغانستان بے بات کریں اور ملا عمر، اسامہ بن لادن اور القاعدہ کے دیگر قائدین کو امریکہ کے حوالے کر دیں۔ ملا عمر کا موقف یہ تھا کہ میرے پاس ثبوت ہیں کہ نائن الیون اسامہ نے نہیں کروایا۔ طالبان نے القاعدہ کو دنیا میں حملے کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔ ان کے وائرلیس سیٹ، اور اسلحہ وغیرہ لے لیے گئے تھے۔ ملا عمر نے صاف لفظوں میں ان سے کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے مہمان تو ہیں مگر ہم آپ کو دنیا میں حملے نہیں کرنے دیں گے کیونکہ ملا عمر کو یہ بات معلوم تھی کہ اسامہ یا ان کے ساتھی دنیا کے مختلف ملکوں میں اور شہروں میں آپریشنز کرتے ہیں اور شہری اور فوجی تنصیبات کو نشانہ بناتے ہیں۔ ملا عمر نے اسامہ بن لادن سے اس بابت پوچھا تو اسامہ نے بھی ان حملوں سے لاتعلقی ظاہر کی۔

جب سعودی عرب اور پاکستان نے دباؤ ڈالا کہ اسامہ کو ہمارے حوالے کر دیں تو ملا عمر نے کہا کہ اگر مجھے اسامہ بن لادن کے ملوث ہونے کے ثبوت دیئے جائیں تو میں اس کو مسلم شریعت

کورٹ کے حوالے کرنے پر تیار ہوں۔ اس وقت ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس سے پاکستان میں انتہائی مایوسی اور غم و غصہ پیدا ہوا۔ جب افغانستان پر حملہ یقینی ہو گیا، تو اس سے تھوڑا پہلے اسامہ نے ایک انٹرویو دیا کہ اس کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہیں جو وہ افغانستان پر جارحیت کرنے والے ملک کے خلاف استعمال کرے گا۔ اسامہ نے یہ بھی کہا کہ وہ اس ملک کے بارے میں نہیں بتائے گا جس سے اس نے ایٹمی ہتھیار حاصل کیے تھے۔ ان حالات میں یہ انٹرویو، امریکہ کے لیے پاکستان پر حملے کا ایک انتہائی آساں جواز بن سکتا تھا۔ چنانچہ پاکستان نے بادلِ نحواستہ امریکہ (جو اس وقت ایک بدمست ہاتھی بنا ہوا تھا) کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس انٹرویو کو اجاگر کرنے والے بھی صہیونی تھے تاکہ جو حملہ افغانستان پر ہو رہا ہے اس کو پاکستان کی طرف موڑ دیا جائے یا پاکستان اور افغانستان کو بیک وقت نشانہ بنایا جائے۔ تو یہ حالات و واقعات تھے جن کی بناء پر پاکستان نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا اس دوران کچھ غلطیاں بھی سرزد ہوئیں لیکن شرائطِ منوائی جاسکتی تھیں پاکستان وہ منوانے میں کامیاب بھی رہا۔ پہلی یہ کہ پاکستانی فوج افغانستان میں نہیں جائے گی۔ دوسری یہ کہ پاکستانی فوج صرف اپنے علاقے میں آپریشن کرے گی۔ علاوہ ازیں یہ کہ امریکی فوجیں پاکستان میں حملہ نہیں کر سکتیں اور امریکہ کو صرف ہوائی اڈے اور تکنیکی مدد دی جائے گی۔

پاکستان نے جو غلطیاں کیں ان میں اولین ”دہشت گردی“ کی صاف اور واضح تعریف نہ کرنا ہے۔ دوم یہ وضاحت طلب نہیں کی کہ اس جنگ کا ہدف کون ہوگا؟ طالبان امریکہ کے دشمن نہیں تھے لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو القاعدہ اور طالبان میں کوئی فرق روا نہیں رکھا گیا۔ تیسری اور سب سے بڑی غلطی پارلیمنٹ یا قوم کی منظوری کے بغیر آپریشن میں شامل ہونے کی تھی۔ چنانچہ عوام الناس نے کبھی بھی اس جنگ کو تسلیم نہیں کیا۔ اصل میں فیصلہ کرنے میں وقت اتنا کم اور باؤ اتنا زیادہ تھا کہ پاکستان کو فوری فیصلہ کرنا پڑا۔ غلطیاں ہوئی ہیں جن کا ازالہ اب بھی ممکن ہے۔ بہر کیف اس فیصلے سے پاکستان کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔

افغانستان کو حملے کے لیے چین کرا امریکہ نے اپنے کئی اہداف تک رسائی حاصل کر لی ہے۔ پہلا اہم ہدف وسطی ایشیائی ریاستوں کے تیل کے ذخائر پر تسلط جمانا ہے اور ترکمانستان، افغانستان



اور پاکستان سے گزرنے والی پائپ لائن کا قیام و تحفظ ہے۔ افغانستان میں حکومت کو تبدیل کرنے کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہوئے سب سے پہلے افغانستان کی صفائی ضروری سمجھی گئی۔ کیونکہ پائپ لائن کا 440 کلومیٹر کا حصہ جو انہیں افغانستان سے

چاہیے تھا، وہ بغیر قبضے کے ممکن نہیں تھا۔ امریکہ کا دوسرا نشانہ ایران تھا۔ افغانستان میں موجود ہوتے ہوئے ایران پر حملہ کرنا اور بھی آسان ہو جاتا ہے۔ افغانستان میں رہتے ہوئے چین کے ان مسلمان علاقوں تک رسائی حاصل کر کے وہاں بغاوتیں برپا کی جاسکتی ہیں، جو پہلے ہی مسائل کی زد میں ہیں۔ یہاں سے ہی انہیں وسطی ایشیا کو قابو کرنے کے لیے ایک آسان ترین راستہ میسر ہے۔ افغانستان سے پاکستان میں بھی براہ راست مداخلت آسان ہے۔ بلوچستان میں بھی مداخلت کر کے اہم اہداف تک رسائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اس وقت پاکستان اور چین کے تعلقات انتہائی شاندار ہیں۔ گوادر کی بندرگاہ پاکستان نے چین کے ساتھ مل کر بنائی ہے اور یہ زیادہ تر چین کے استعمال کے لیے ہے۔ گوادر پورٹ بنانے کا مقصد یہ تھا کہ چین بحر ہند تک آسان اور فوری رسائی حاصل کر کے طاقت کے توازن کو برقرار رکھ سکے۔ گوادر سے چین کو یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ یہاں سے زمینی راستے کے ذریعے شاہراہ قراقرم کو استعمال کرتے ہوئے سامان چین کی منڈیوں تک پہنچ سکتا ہے۔ یوں چین کو ایک علیحدہ راستہ مل جائیگا جہاں سے چین اپنا بچاؤ کر سکتا ہے۔ مزید یہ کہ پاکستان نے ایران کے ساتھ اپنے تعلقات خراب نہیں کیے تھے۔ بلوچستان میں دخل اندازی کا امریکی مقصد بھی یہی تھا کہ جب اس کے ذریعے بلوچستان میں فساد پیدا ہوگا اور ایران، پاکستان کے گیس پائپ لائن کے منصوبے میں مسائل پیدا ہونگے تو چین کے گوادر پورٹ

سے وابستہ مفاد کو زک پہنچے گی۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ سعودی عرب کی طرح بلوچستان بھی معدنی دولت سے مالا مال خطہ ہے۔ یہ طاغوتی طاقتیں چاہتی ہیں کہ پاکستان کے اس علاقے میں بھی معدنیات کی تلاش کا کام نہ ہو سکے لہذا بلوچستان لبریشن آرمی کو تخریبی سرگرمیاں سرانجام دینے کے لیے بھاری مالی معاونت کی جاتی ہے۔ اسی طرح بلوچستان بالخصوص کوہلو اور شمالی بلوچستان میں ترقیاتی کام بھی نہیں ہونے دیئے جاتے۔

اس طرح جب سوویت یونین افغانستان میں آیا تو ان کے دو بڑے مہرے تھے۔ متعصب قوم پرست پختون عناصر، جو کہ پختونستان بنانے کی بات کرتے تھے۔ اور دوسرے بلوچستان



بالاچ مری جو افغانستان میں قتل ہوا

لبریشن آرمی سے تعلق رکھنے والے عناصر تھے۔ یہ دونوں عناصر نظریاتی طور پر کام کیا کرتے تھے۔ بالاچ مری کو ماسکو میں تربیت دی گئی۔ اسی طرح پختون متعصب قوم پرست جلال ٹوپی پہنا کرتے تھے، وہ بھی روس میں تربیت پاتے تھے۔ روس کے ٹوٹنے کے بعد جو عجیب و غریب بات دیکھی گئی وہ یہ ہے کہ پہلے جن عناصر کو روس کی حمایت حاصل تھی اب وہی عناصر امریکہ کے حمایت یافتہ ہو گئے ہیں۔ امریکہ بھی ان کو وہی کچھ دے رہا

ہے جو کہ روس دیا کرتا تھا۔ یعنی ایک عظیم بلوچستان اور پختونستان کی سازش کا مقصد ہی یہ تھا کہ پاکستان کے یہ علاقے افغانستان کے ساتھ ملائے جائیں، جس کے لیے ہمارے قبائلی علاقوں میں بغاوت ضروری ہے۔ انتہائی اہم اور دلخراش حقیقت جس پر آج تک کوئی بحث نہیں کی گئی یہ ہے کہ افغانستان کو افیون کی عالمی منڈی اور کاروباری مرکز بنادیا گیا ہے۔ دنیا کی 90 فیصد افیون افغانستان میں پیدا ہو رہی ہے۔ اس افیون کو ہیروئن پیدا کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہیروئن کہاں جاتی ہے؟ اس میں سے زیادہ تر ارد گرد کے مسلم ممالک بالخصوص پاکستان میں استعمال ہو رہی ہے۔ اس ہیروئن کا ہدف چین اور روس بھی ہے۔ اس صورتحال کے بارے میں ایک مضبوط



رائے یہ ہے کہ افیون کی یہ نئی جنگیں مسلمانوں کو نشانہ بنائیں گی۔ جس سے مسلمان ممالک مزید کھوکھلے ہو کر رہ جائیں گے بالکل اسی طرح جس طرح برطانیہ نے چین کے خلاف افیون کی جنگ (Opium Wars) مسلط کی تھی۔

یہ سب کچھ سوچی سمجھی حکمت عملی کے تحت ہو رہا ہے۔ زیادہ تر افیون جنوبی اور شمالی افغانستان میں پیدا ہوتی ہے جو کہ افغانستان کی کٹھ پتلی حکومت اور نیٹو افواج کے زیر تسلط ہے۔ اس



کا سارا استعمال مسلم ممالک میں ہو رہا ہے۔ اس لیے تجزیہ ہے کہ افغانستان ان سب حکمت عملیوں کا مرکز بن کر رہ گیا ہے۔ الغرض ہندو صیہونی اور یہودی صیہونی پاکستان پر حملہ کرنا چاہتے تھے اور جب یہ بات پاکستانی حکومت پر واضح ہوئی تو اسے بہت تشویش ہوئی۔

امریکی اتحاد کا ساتھ دینے کا مقصد تھا کہ یہ طوفان خود بخود ٹل جائے یا اس کا رخ افغانستان کی طرف موڑ دیا جائے۔ افغانوں کی طرف بھیجنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دنیا کی جس بھی عظیم طاقت نے افغانستان میں دخل اندازی یا حملہ کیا ہے تو اسے منہ کی کھانی پڑی ہے۔ انہی عوامل کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ کیا گیا۔ پچھلے 7 سال سے آج تک ہونے والی جنگ سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ امریکیوں کو بھی وہی مسائل درپیش ہیں جو روسیوں کو تھے۔

پس یہ امر واضح ہونا چاہیے کہ نائن الیون کا جو واقعہ ہوا وہ حادثاتی نہیں تھا اس کے پیچھے بڑی منصوبہ بندی تھی اس کے پیچھے ایک امریکی دور رس نگاہ تھی۔ نائن الیون کا واقعہ عوام میں ہلچل مچانے کے لیے کروایا گیا اور اس کے ذریعے پوری دنیا میں رائے عامہ کو ہموار کیا گیا اور پھر اس جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دینا دراصل 21 ویں صدی کیلئے طے کیے گئے امریکی خارجہ پالیسی کے چھ مقاصد کے حصول کا حصہ ہیں۔ درحقیقت دہشت گردی کے خلاف جنگ خرافات کے علاوہ کچھ نہیں۔



دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ صرف ایک چال تھی۔ جس کا تعلق نہ القاعدہ سے ہے، نہ طالبان سے اور نہ اسامہ سے۔ یہ صرف چھوٹے چھوٹے بھانے تھے جن کی آڑ میں امریکہ اور مغرب نے پوری دنیا میں اپنی فوجیں بھیج دی ہیں اور ان کا اصل مقصد چین اور روس کو چاروں طرف سے گھیر کر اپنی برتری برقرار رکھنا ہے۔ اسی ضمن میں ایک اور اہم واقعہ احمد شاہ مسعود کا قتل تھا جو کہ نائن الیون سے چند دن پہلے ہوا ہے۔ احمد شاہ مسعود افغانستان میں ایک بہت بڑا نام تھا، وہ ایک کرشماتی مزاحمتی رہنما تھا۔ اس کے بارے میں بڑے وثوق سے یہ کہہ جا سکتا ہے کہ احمد شاہ مسعود کا قتل امریکی حملے سے پہلے ضروری تھا کیونکہ وہ ایک مزاحمتی تھا اور کسی بھی صورت میں افغانستان پر امریکی حملے کو قبول نہ کرتا۔ اس بات کا کامل یقین ہے کہ وہ ایک سخت قوم پرست رہنما تھا جو کسی صورت میں خارجی حملے کو افغانستان میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ جس طرح ملا عمر ایک نڈر افغان ہے اس طرح احمد شاہ مسعود بھی ایک عظیم رہنما اور کردار تھا۔ افغانوں میں آپس میں لڑنے کی عادت ہے۔ اگر آپ ایک تجزیہ نگار کی طرح دیکھیں ان دونوں میں کوئی خرابی نہیں تھی وہ اتنے ہی اچھے اور بڑے افغان تھے جتنا کوئی دوسرا اچھا افغان ہو سکتا ہے۔

جہاں تک دہشت گردی کے خلاف جنگ میں امریکہ کا حواری ہونے کا تعلق ہے تو بہت ایسے عوامل ہیں جن کو دیکھنا اور پرکھنا ہوگا۔ وہ وجوہات بھی مدنظر رکھنا ہوں گی جن کے باعث پاکستان نے مجبور ہو کر طالبان اور القاعدہ کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا۔ پاکستان کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ پاکستان القاعدہ اور طالبان کے درمیان تفریق نہیں کر سکا۔ یہ وہ غلطی تھی جس کی آج ہمیں بھاری قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے۔ لیکن ایک بات جو کہ بہت اہم ہے کہ طالبان کبھی بھی پاکستان کے دشمن نہیں تھے۔ افغانستان میں طالبان کی موجودگی کی وجہ سے ہمیں بہت زیادہ فائدہ بھی تھا۔ انہوں نے افغانستان سے منشیات ختم کر دی تھیں۔ طالبان کے آنے کی وجہ سے ہندوستانی اڈوں کا افغانستان سے صفایا ہو گیا تھا۔ ہماری سرحدوں پر کوئی مسائل



نہیں تھے۔ بلوچستان میں آپریشن کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اور ہمارے قبائلی علاقے پر امن تھے۔ طالبان بہت بارعب تھے۔ بالکل ان افغان مجاہدین کی طرح جو 80 کی دہائی میں ایک بڑی طاقت کے خلاف لڑے تھے۔ افغان مجاہدین نے ہمارے ساتھ زیادہ دوستی نہیں کی مگر وہ ہمارے دشمن بھی نہیں تھے۔

طالبان کا ایجنڈا ہندوستان کے خلاف تھا۔ اس کے علاوہ دفاع اور منشیات کے حوالے سے ان کا طریقہ کار ہمارے لیے موزوں تھا۔ طالبان اور القاعدہ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ ایک جیسے ہرگز نہیں ہیں۔ ان کے بنیادی عقائد الگ ہیں۔ ان کے سوچنے کا انداز مختلف ہے۔ طالبان بین الاقوامی جہادی نہیں ہیں۔ وہ صرف ایک مخصوص علاقے تک محدود ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ اپنے ملک کو ہر غاصب سے آزاد کروانا چاہتے ہیں۔ جب سوویت یونین نے 80ء کی دہائی میں افغانستان پر حملہ کیا تو افغانستان نے پوری طرح مزاحمت دکھائی۔ اب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا ہے تو اسے بھی شدید مزاحمت کا سامنا ہے۔ اسامہ بن لادن نے تو اس وقت یہی کہا تھا کہ میں نے یہ حملہ نہیں کروائے اور بعد میں اسامہ نے یہ کوشش کی کہ امریکہ افغانستان کی بجائے پاکستان پر حملہ کرے۔

نائن الیون کے بعد جب پاکستان نے امریکہ کا دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ساتھ دیا تو امریکہ یہ سمجھ بیٹھا کہ پاکستان اب مکمل طور پر اس کا دوست بن گیا ہے اور وہ امریکی حکمت عملی کو پورا کرے گا۔

پوری مسلم امہ حتیٰ کہ اسلامی تحریک، مسلمان مزاحمتی گروپوں، سب نے نائن الیون کی مذمت کی تھی۔ اس وقت ملا عمر کا یہ موقف تھا کہ مجھے ثبوت دو تو میں اسامہ کو تمہارے حوالے کر دوں گا۔

ظاہر ہے امریکی سی آئی اے، موساد کو تو قصور وار ٹھہرانے سے رہی۔ اس نے الٹا ہمیں قصور وار ٹھہرایا کہ حملے ہماری وجہ سے ہوئے ہیں۔ اب جب پاکستان نے امریکہ کا ساتھ دیا تو

امریکہ نے سمجھ لیا کہ اس نے پاکستان کو خرید لیا ہے۔ یہ امریکہ کی شدید غلط فہمی تھی۔ مثلاً تھوڑے عرصے بعد امریکہ نے عراق پر حملہ کیا۔ امریکہ نے سوچا کہ یہاں سے مسلمان ملکوں کی فوجیں بلا کر ہم عراق میں اکٹھی کریں گے۔ انہوں نے ترکی اور بنگلہ دیش سے کہا لیکن انہوں نے انواج بھیجنے سے انکار کر دیا۔ آخر میں امریکی یہ سوچ کر پاکستان آئے کہ پاکستان یقیناً فوجی امداد فراہم کرے گا مگر پاکستان نے بھی صاف انکار کر دیا۔ اس بات نے عراق میں امریکہ کے کھیل کو خراب کر دیا۔ ان کو خود وہ جنگ لڑنا پڑی اور متعدد ہلاکتوں اور نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ پاکستان کے انکار کے باعث امریکی کافی پریشان ہو گئے۔

صیہونی لابی امریکہ کے ذریعے پاکستان پر دباؤ ڈال رہی تھی کہ پاکستان اسرائیل کو تسلیم کر لے۔ پاکستان نے انکار کیا تو ایک مرتبہ پھر امریکہ اور صیہونی پریشان ہو گئے۔ تیسرا یہ کہ پاکستان نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ان کے حوالے نہیں کیا۔ وہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کی سزا دینا چاہتے تھے۔ انہیں پاکستانی ایٹمی اثاثوں تک رسائی دے کر تھی۔ انہوں نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا کہ پاکستان انکار کر دے گا مگر پاکستان نے انکار کیا۔

امریکی یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے پاس شمالی کوریا کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں معلومات ہیں۔ کیونکہ پاکستان کے شمالی کوریا کیساتھ پرانے دفاعی تعلقات ہیں۔

امریکہ کا خیال تھا کہ ہم جو کہیں گے، پاکستان کرے گا۔ پاکستان نے ڈاکٹر عبدالقدیر کو امریکہ کے حوالے نہ کر کے ان کے ایجنڈے کو شدید چوٹ لگائی۔ ہم نے عراق میں فوج نہیں بھیجی، نہ ہم نے اسرائیل کو قبول کیا اور نہ ہی ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ان کے حوالے کیا۔ ہم نے انہیں



شمالی کوریا کی طاقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ شمالی کوریا ایک ایسا چینی اثاثہ ہے جسے امریکہ کو پریشان کرنے کے لیے چینیوں نے آگے کیا ہوا ہے۔ شمالی کوریا کی طاقت کا امریکہ کو پتہ چل جانے سے چین کی خود مختاری خطرے میں پڑتی ہے۔ پاکستان کے حوالے سے امریکہ کا خیال تھا کہ وہ

ایٹمی اور میزائل پروگرام بند کر دے گا۔ مگر پاکستان نے اپنا ایٹمی اور میزائل پروگرام بند نہیں کیا، جبکہ پاکستان افغانستان میں ان سے پورا تعاون کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ پاکستان کا ایٹمی اور میزائل پروگرام بھی شب و روز ترقی پا رہا تھا۔ اور اب ہمارے پاس ایسے میزائل ہیں جو اسرائیل اور دوسرے ممالک اور خطے میں موجود امریکی مفادات کو نشانہ بنا سکتے ہیں۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کے کردار کی وجہ سے امریکہ مجبور ہے کہ ہر سال یہ گواہی دے کہ پاکستان کا میزائل پروگرام محفوظ ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کا واقعہ پاکستان کے لیے ایک مستقل مسئلہ تھا۔ مگر اس وقت کے اخبارات و جرائد کو پڑھیں تو تمام صیہونی اثاثے (ایجنٹس) جو پاکستان یا اس کے باہر تھے انہوں نے ایک ہنگامہ برپا کر رکھا تھا کہ پاکستان پر حملہ ہونے والا ہے۔ ہمیں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ان کے حوالے کر کے اپنا ایٹمی پروگرام ترک کر دینا چاہیے اور یہ کہ پاکستان کو اپنے میزائل پروگرام پر بھی سمجھوتا کر لینا چاہیے۔

ذرائع ابلاغ نے یہ سب کچھ اچھالا اور اس کو پوری دنیا میں پھیلا دیا۔ اس وقت مختلف ماہرین اور تجزیہ نگار جو پاگل پن کے دورے میں مبتلا اور دیوانے ہو چکے تھے، انہوں نے یہ دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ پاکستان ہتھیار ڈال دے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ملک سے باہر سفر کرنے کی اجازت نہیں دی گئی کیونکہ موساد ان کو اغواء کر لیتی یا مروادیتی۔ لیکن زیادہ امکان یہ ہے کہ اب مغربی ممالک ان کو مارنا نہیں چاہتے بلکہ ان سے شمالی کوریا کے بارے میں ایٹمی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ مشہور واقعہ ہے کہ ایک اسرائیلی شہری جس کا نام ”ونوٹو“ تھا، نے اسرائیل کے ایٹمی راز فاش کر دیئے تھے۔ 80ء کی دہائی میں ایک آبدوز کے ذریعے اس کو روم سے اغواء کر لیا گیا۔ 2004ء میں ونوٹو 18 سال جیل میں گزار کر رہا ہوا۔ اسی طرح وہ فلسطینی جو انہیں مطلوب ہوتے ہیں ان کو وہ اغواء کر دیتے یا قتل کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے ڈاکٹر عبدالقدیر کے ضمن میں بھی یہ خطرہ موجود ہے اور امریکہ اس وجہ سے کافی پریشان ہے کہ ہم نے ڈاکٹر عبدالقدیر کو ان کے حوالے نہیں کیا۔ یقیناً اس کی وجہ سے ان کی چین کے بارے میں بنائی ہوئی پالیسی اور کھیل بگڑ گیا

ہے۔ اب امریکی ایک عرصے سے یہ دباؤ بھی ڈال رہے ہیں کہ ہم چین کے ساتھ اپنے تعلقات ختم کر کے نیٹو کے کمپ میں آجائیں۔ کیونکہ انہیں خطرہ یہ ہے کہ اگر پاکستان چینی قیادت میں ایک کمپ میں چلا جاتا ہے اور ایک اجتماعی دفاعی انتظام میں آ جاتا ہے تو پاکستان اس بلاک میں آجائے گا جو چین، روس اور پاکستان پر مشتمل ہوگا۔ جو ایشیائی ایٹمی طاقتوں کا بلاک کہلائے گا۔ شنگھائی کوآپریشن آرگنائزیشن (ایس سی او) کے اندر پاکستان اور ایران آبزور یعنی مشاہداتی اراکین ہیں۔ اس لیے امریکی ہمیں نیٹو کے ساتھی کے طور پر لینا چاہتے ہیں

پاکستان نے چین کو گوارہ کے ذریعے جو تجارتی راستہ فراہم کیا ہے وہ بھی پاکستان دشمن عناصر کے لیے لمحہ فکریہ بنا ہوا ہے۔ امریکہ نے چین کی تجارت روکنے کے لیے پوری حکمت عملی



تیار کر رکھی تھی۔ دراصل وہ شمال میں قراقرم ہائی وے کو منقطع کر کے پاکستان، چین تعلقات کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ امریکہ کے دوست ہونے کے باوجود پاکستان نے ایران کے ساتھ اپنے تعلقات کو ازسرنو مرتب کرنا شروع کیا۔ ایران کے ساتھ ہمارے تعلقات ماضی میں بہت زیادہ قریبی نہیں

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب 80ء کی دہائی میں افغان جہاد کا دور تھا تو افغانستان میں چھ جہادی تنظیمیں تھیں جو سنی تھیں۔ ان کے ساتھ مزید تعلقات رکھنے والی دوسری تنظیمیں بھی پاکستان میں تھیں۔ اس کے ساتھ تقریباً اتنی ہی جہادی شیعہ تنظیمیں تہران میں بھی تھیں۔ اس کی وجہ سے پاکستان اور ایران کے تعلقات افغان جنگ کے دوران کافی کشیدہ ہو گئے۔ افغانوں کے اندرونی مسائل اور آپس کے جھگڑے تو چل ہی رہے تھے۔ اسی اثناء میں افغانستان میں طالبان آ گئے۔ طالبان سنی تھے اور انہوں نے افغانستان میں شیعہ جماعتوں کے ساتھ شدید جنگیں کیں۔ ان کو خاصا نقصان پہنچایا اور کافی جھڑپیں ہوئیں۔ ان کی وجہ سے ایران کافی پریشان تھا ایک

خیال یہ تھا کہ طالبان کو پاکستان مدد فراہم کر رہا ہے۔

افغانستان کی صورتحال کی بناء پر پاک ایران تعلقات کافی عرصے سے ٹھیک نہیں ہو رہے تھے۔ افغانستان میں امریکی حملے اور بلوچ لبریشن آرمی کی مدد ایرانیوں کو پریشان کر رہی ہے۔ ویسے بھی جان بوجھ کر ایسی چیزیں پھیلانی جاتی ہیں کہ پاکستان امریکہ کے ساتھ مل کر ایران میں علیحدگی پسند بھیج رہا ہے۔ پاکستان ایران کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ پاکستان یہ سب نہیں کر رہا ہے بلکہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ امریکی ایماء پر ہو رہا ہے۔ الغرض پاکستان نے ایران سے تعلقات ٹھیک کرنے کے لیے انتہائی موثر کاوشیں کیں۔ ایران پاکستان گیس پائپ لائن ان میں سے ایک منصوبہ ہے۔ ایران پاکستان کے ساتھ کام کرنے کی کوشش کر رہا ہے جو امریکہ کے لیے پریشان کن امر ہے۔

پاکستان، برطانیہ اور دنیا کے متعدد ممالک نے بھی بلوچ لبریشن آرمی (بی ایل اے) کو دہشت گرد قرار دیا ہے لیکن امریکہ نے ایسا نہیں کیا۔ بی ایل اے افغانستان میں قائم ہے۔ بالاجہ مری بھی افغانستان میں مارا گیا۔ بی ایل اے اب امریکہ کا اثاثہ ہے، جس کو یہ استعمال کر رہے ہیں۔ پختون متعصب قوم پرست اور بلوچ متعصب قوم پرست جو سوویت یونین کے حامی ہوا کرتے تھے، عجیب انداز میں تبدیل ہو کر امریکن کیمپوں میں چلے گئے ہیں۔ یعنی امریکہ وہی سب کچھ کر رہا ہے جو روس اس علاقے میں کرتا رہا ہے۔

وزیرستان کی وجہ سے پاکستان کے لیے ایک بڑا دفاعی خطرہ پیدا ہو گیا ہے، جو پاکستان اور امریکہ کے درمیان جھگڑے کا باعث بھی بنا ہوا ہے۔ امریکی یہ چاہتے ہیں کہ پاکستانی وزیرستان میں ایک بھرپور قوت کے ساتھ گھس جائیں اور بے دریغ قتل عام کریں۔ پاکستان نے بھانپ لیا تھا کہ یہ جال ہمارے لیے بچھایا جا رہا ہے۔ پاکستان اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ پختون قبائل جو ہماری سرحدوں پر آباد ہیں، بہت اچھے مسلمان اور پاکستان سے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔ مگر دین اور اسلام کا نام لے کر ان کو اکسایا جاسکتا ہے۔ وہ کبھی بھی پختونستان یا عظیم پختونستان کے

لیے نہیں اٹھیں گے۔ ان کو صرف اور صرف مذہب کے نام پر اٹھایا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے ہمارے مذہبی قبائلی علاقوں میں ایک مذہبی مداخلت کا برپا کرنا بہت ضروری تھا۔ مذہبی مداخلت جذباتی ہوتی ہے۔ وزیرستان میں بہت بھاری تعداد میں اسلحہ اور روپیہ افغانستان کے راستے اس علاقے کے لوگوں کو دیا جا رہا ہے کہ جو پاکستان کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ جو گروہ یا جو جماعتیں پاکستان کو توڑنے کی بات کرتے ہیں وہ تو چاہیں گے کہ وہ کسی بھی نظریے کے تحت آئیں اور پاکستان کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیں۔

ہمیں قبائلی علاقوں کے بارے میں بہت واضح سوچ اپنانی ہوگی۔ وہاں پر پاکستانی قبائل، افغان، غیر ملکی، عرب، القاعدہ، ملیشیا اور بعض متعصب قوم پرست گروہ بھی ہیں۔ وہاں مقامی آبادی رہتی ہے لہذا وہاں پاکستان کسی صورت میں بھی ایک بے دریغ قتل عام کر ہی نہیں سکتا۔ امریکیوں نے ہمیشہ وہاں پاکستان کو دھکیلنے کی کوشش کی ہے۔ پاکستان بہت ہی محتاط حکمت عملی اختیار کیے ہوئے ہے تاکہ قبائل خود اس مسئلے کو حل کریں۔ پاکستان یہ بھی چاہتا ہے کہ وہاں پر فوج کا بے دریغ استعمال نہ کریں۔

یہ بات درست ہے کہ پاک افغان سرحدی علاقوں میں مسائل ہیں اور وہاں ایک خاص مزاحمتی تنظیم پیدا ہو رہی ہے جن کے نظریات طالبان کے نظریات نہیں ہیں۔ طالبان بین الاقوامی جہادی نہیں ہیں۔ آج تک ملا عمر نے ایک بیان بھی ایسا نہیں دیا جس میں اس نے پاکستان کی ریاست کے خلاف کچھ کہا ہو یا جس سے ظاہر ہو کہ ملا عمر پاکستانی حکومت کی پالیسیوں یا پاکستان کی ریاست اور لوگوں میں تفریق کر رہا ہے۔ پاکستان کی پالیسی سے ان کو تکلیف ہوئی ہے لیکن اس نے پاکستان کے خلاف اعلانیہ جنگ نہیں کی۔ جبکہ القاعدہ نے پاکستان کی ریاست کو امریکہ کی بظاہر دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ساتھ دینے کی وجہ سے کافر ریاست قرار دے دیا ہے اور پاکستان کی عوام کو کافر اور منافق گردانا ہے۔ لہذا اس نے پاکستان کی ریاست کے خلاف کھلم کھلا اعلان جنگ کر دیا ہے۔ یہ مسلمان بھائیوں کے خلاف فتوے دے رہے ہیں اور صیہونیوں کے



ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔

قبائلی علاقوں کی وجہ سے ہم مشکل حالات میں پھنس گئے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف امریکہ کی حکمت عملی جو پوری دنیا میں پھیلی ہوئی تھی، کو ہم نے شدید نقصان پہنچایا ہے۔ جس کی وجہ سے پاکستان اور امریکہ کے تعلقات خاصے خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ پاکستان نے اسرائیل کو تسلیم نہیں کیا، عراق میں فوج نہیں بھیجی، ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو امریکہ کے حوالے نہیں کیا، پاکستان کا ایٹمی اور میزائل پروگرام الحمد للہ جاری و ساری ہے، بی ایل اے کو تقریباً ختم کر دیا گیا ہے، پاکستان نے ایران اور چین سے بھی تعلقات استوار کر رکھے ہیں جو خطے میں اس کی اہمیت میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ ان اقدامات کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوگا کہ پاکستان نے افغانستان میں امریکہ کی مدد ضرور کی لیکن اس کے علاوہ کئی معاملات میں پاکستان نے امریکہ کے لیے مشکلات بھی پیدا کی ہیں۔ اہم بات یہ ہے کہ افغان پالیسی میں ہم نے اس وقت جو غلطیاں کی ہیں اب وقت ہے کہ ان غلطیوں کو جانچیں اور ان کی تصحیح کریں۔ ان نقصانات سے ہم تب بچیں گے جب ہمیں وہاں کے حالات کا اندازہ ہوگا کہ افغانستان سے ہمیں کیا خطرات ہیں یعنی ہم نے اپنے لیے مصیبت کیوں کھڑی کر لی ہے اور اس سے ہم کس طرح نمٹ سکتے ہیں۔ سب سے پہلی بات پاکستان نے افغانستان جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا۔ یہ ہماری بہت بڑی غلطی تھی۔ آپس میں جھگڑا کرنا افغانیوں کی عادت ہے۔ پاکستان کی سرحد سے تاجک بھی لگتے ہیں۔ بدخشاں کی طرف سے چترال کا علاقہ ہماری سرحد پر ہے۔ باقی ساری سرحد کے ساتھ پشتون رہتے ہیں۔ یہ کافی سخت علاقہ ہے۔ افغانوں کے آپس میں کافی مسائل ہیں۔ افغان ہمیشہ تاجکوں اور ازبکوں سے لڑتے

رہے ہیں۔ احمد شاہ مسعود کے ساتھیوں اور ہزارہ کے لوگوں کے ساتھ ان کی کبھی بھی دوستی نہیں ہو سکی۔ طالبان نے بھی شدید غلطیاں کیں مگر ان کی آپس کی لڑائی میں پاکستان کو دخل نہیں دینا چاہیے تھا۔ ہمیں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار رکھنا چاہیے تھا۔ جب احمد شاہ مسعود اور شمالی اتحاد کی حکومت کابل میں آئی اور حامد کرزئی، جو امریکی کمپنی UNACOL کے ملازم تھے، نے عنان





حکومت سنبھالی تو امریکہ، بھارت اور اسرائیل کو کواپنی کارروائیوں کے لیے افغانستان میں براہ راست رسائی مل گئی۔ اس وقت بھارتی کونسل خانے جو قدھار سے لیکر چترال تک پھیلے ہوئے ہیں وہ سب کے سب پاکستان دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہیں۔ بلوچستان اور وزیرستان میں بھی اسلحہ وہاں سے آرہا ہے۔ ہم نے خود اپنے لیے بہت سے مسائل کو جنم دیا ہے۔ ان حالات اور پالیسیوں کے باعث شمالی اتحاد کے ساتھ

ہمارے تعلقات ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ دوسری جانب ہم طالبان کو بھی مار رہے ہیں۔ درحقیقت جو کام ہم نے کیا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے افغانستان میں اپنا کوئی دوست باقی نہیں چھوڑا۔ اسرائیل اور بھارت امریکی جارحیت کے سائے تلے عربوں کو آڑے ہاتھوں لے رہے ہیں۔ امریکی ہندوستانی خفیہ ایجنسی ”را“ سے رہنمائی لیتے ہیں اور بی ایل اے کو بھی بغاوت میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ یہ ہمارے لیے خطرناک صورتحال ہے اور یہ پالیسی اب ہمیں درست کرنی ہوگی۔ شروع کا طوفان جوانان الیون کے واقعے کی وجہ سے برپا ہوا وہ اتنا سخت تھا کہ پالیسی از سر نو مرتب کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب سات سال کے بعد بہت ساری چیزوں کو درست کیا جاسکتا ہے۔

ہمارے ملک میں جہاں علیحدگی پسند تنظیمیں سرگرم عمل ہوگئی ہیں وہاں ہمارے ہمسایہ ممالک بھی ہم سے خوش نہیں ہیں۔ ہمیں اپنے ان سارے معاملات خصوصاً پاک افغان پالیسی



پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے کیونکہ شمالی اتحاد کی حکومت آنے کی وجہ سے ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ پھر سے کھڑا ہو گیا ہے۔ ڈیورنڈ لائن کو وہ قبول ہی نہیں کرتے اور وہ پاکستان کا صوبہ سرحد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے برعکس طالبان نے کبھی بھی ڈیورنڈ لائن کا مسئلہ ہمارے لیے کھڑا نہیں کیا۔

امریکہ افغانستان میں پھنس گیا ہے۔ اب یہ حقیقت منظر عام پر آچکی ہے کہ طالبان کو ختم نہیں کیا جاسکتا۔ طالبان ایک حقیقت ہیں اور اپنی جگہ پر موجود ہیں وہ روز بروز طاقت حاصل کر رہے ہیں اور اب تو نیو بھی اس نہج پر پہنچ گیا ہے کہ انہیں براہ راست طالبان سے بات کرنی پڑے گی۔ کیونکہ اس سارے مسئلے کا کوئی فوجی حل نہیں ہے۔ اس سلسلے میں پاکستان نے پہلے بھی افغانستان کے ساتھ مل کر جرگہ کیا تھا۔ پاکستانی صدر نے وہاں جا کر کہا کہ طالبان دہشت گرد نہیں ہیں، انہیں سامنے لایا جائے۔ پاکستانی وفد نے یہ رائے دی کہ بین الاقوامی فوجوں کو افغانستان چھوڑنا چاہیے۔ ان کی موجودگی یہاں فتنہ پیدا کر رہی ہے۔ جرگہ کا ماخذ تھا کہ ایک کمیٹی بنائی جائے جو افغان اور پاکستان کی حکومت اور افغان طالبان سے مذاکرات شروع کریں۔

نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان نے جب یہ باتیں کابل میں جا کر کیں تو امریکی پالیسی کو حقیقتاً دھچکے لگا۔ مطلب یہ ہے کہ ان کو یقین ہی نہیں آیا کہ ہوا کیا ہے۔ ان کو خوف یہ پیدا ہو گیا تھا کہ اگر پاکستان نے اس جرگے کے مطالبات کو خارجہ پالیسی بنادیا تو ہم کیا کریں گے۔ وہ گھبرا گئے کیونکہ یہ ان کے لیے انتہائی پریشان کن مسئلہ تھا۔ پھر انہوں نے پاکستان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تاکہ پاکستان اس کو اپنی خارجہ پالیسی کا حصہ نہ بنائے۔ اسی لیے انہوں نے دوسرے جرگے کی نوبت ہی نہیں آنے دی۔ دوسرا پاکستان کو اپنی افغان پالیسی درست کرنے میں جو سب سے اہم کام کرنا ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان افغانستان کے معاملے میں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کرے۔

ملک میں سیاسی حکومت آچکی ہے لہذا بہت سی تبدیلیاں کی جاسکتی ہیں۔ اگر پارلیمنٹ مل کر کوئی فیصلہ کرتی ہے تو امریکیوں کے لیے اس کو روکنا خاصا دشوار ہوگا۔ کیونکہ جس لمحے ہم طالبان کو منظر عام پر لا کر غیر جانبدارانہ رویے کا اعلان کرتے ہیں تو فوراً قبائلی علاقوں کا وہ غم و غصہ جو اس وقت موجود ہے، کم ہو جائے گا۔ دوسرا پاکستان کو القاعدہ اور طالبان میں فرق کرنا ہوگا۔ القاعدہ نے نظریاتی طور پر پاکستان کی ریاست



کے خلاف اعلان جنگ کر رکھا ہے۔ طالبان نے ابھی تک اعلان جنگ نہیں کیا اور نہ ہی کریں گے۔ القاعدہ نے پاکستان کی افواج اور عوام کو کافر اور منافق قرار دے کر پاکستان میں حملے کرنا جائز گردانا ہے۔ بھلے ان حملوں میں معصوم بچے اور عورتیں بھی ہلاک ہوں۔

اگر اس کو اپنی خارجہ پالیسی بنالیں کہ ہم طالبان کے ساتھ بات کرنا چاہتے ہیں تو اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ہم سارے ہندوستانی اثاثوں (ایجنٹس) کا خاتمہ کر دیں گے۔ طالبان ہمارے لیے نقصان دہ نہیں ہیں۔ ان کے نظریات اور شدت پسندی کی وجہ سے ہمیں مسائل ہو سکتے ہیں مگر جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ اپنے ملک کے ساتھ کر رہے ہیں۔ افغان معاشرے میں شدت پسندی ہے۔ وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ 1995ء سے لیکر 2001ء تک طالبان نے افغانستان پر حکومت کی ہے۔ طالبان نے پاکستان کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہیں کیا سوائے اس کے کہ انکی شدت پسندی کے باعث ہمیں تکلیف ہوئی۔

پاکستان کے پاس اس وقت جو راستے ہیں ان میں سے بہتر راستہ یہ ہے کہ پاکستان کو برابری اور عزت کی بنیاد پر امریکہ سے تعلقات قائم کرنا ہوں گے۔ امریکی بری طرح پھنس چکے ہیں۔ پاکستان ان کی دُم پر کھڑا ہے۔ اگر پاکستان صرف وہ مدد فراہم کرنا بند کر دے جو یہاں سے افغانستان جاتی ہے۔ تو ان کی تمام جنگی صلاحیتیں مفلوج ہو جائیں گی۔ ہم بالکل بھی کمزور حالات میں نہیں ہیں۔ پاکستان میں کوئی ایسا خطرہ نہیں ہے کہ پاکستان تباہ و برباد ہو جائے گا۔ یہ سب خرافات ہیں اس قسم کی کوئی حرکت نہیں ہو سکتی۔ بی ایل اے کو تقریباً ختم کر کے غیر مسلح کر دیا گیا ہے۔ بی ایل اے اب سوائے پائپ لائن توڑنے کے اور کچھ نہیں کر سکتی وہ ایک آزاد بلوچستان نہیں بنا سکتے۔ وزیرستان میں ہم نے وہ سب نہیں کیا جو یہ چاہتے ہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ ہم اپنے قبائلی علاقوں کو اتنا بھڑکا دیں اور ان پر اتنی بڑی جنگ مسلط کر دیں کہ پختون خود غصہ میں آ کر کہیں کہ ہم پاکستان سے الگ ہو رہے ہیں۔ القاعدہ، بھارت اور اسرائیل پاکستان کا براہ راست امریکہ سے تصادم کروانے میں دلچسپی رکھتی ہے۔ دراصل القاعدہ کے نظریات یہ تھے کہ پاکستان

بھی اس میں ان کے ساتھ شامل ہو جائے اور براہ راست مغرب سے برد آزا ہو جائے اسی میں ان کی بقا ہے۔

تو اب حالات یہ ہیں کہ پاکستان کافی مضبوط دورا ہے پر کھڑا ہے۔ امریکی افغانستان میں بری طرح پھنس چکے ہیں اور ان کے پاس بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ ان کو کافی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ نیو بھی وہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہی ہے۔ برطانیہ طالبان سے مذاکرات کی بات کر رہا ہے۔ یہ وقت ہے کہ پاکستان طالبان کے ساتھ رابطہ کرے یا افغانستان کے معاملے میں غیر جانبدار رویے کا اعلان کر دے۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلم دنیا کو منظر عام پر لے کر آئے کیونکہ القاعدہ صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ تمام مسلم دنیا کا مسئلہ ہے۔ جتنی بھی بڑی بڑی جہادی تنظیمیں مسلم دنیا میں ہیں یعنی کشمیری، عراقی، فلسطینی، حماس، مصر کے اخوان المسلمین یہ تمام القاعدہ سے دور رہتے ہیں۔ فلسطین میں القاعدہ نہیں ہے، حماس، عراقی، چین وغیرہ بھی القاعدہ نہیں ہیں۔ القاعدہ کے بڑے عجیب و غریب نظریات ہیں اور ان پر بحث کرنے کے لیے پاکستان کو مسلم اتحاد بنانا ہوگا علماء اور سکا لرز کو ان سے مفاہمت کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر وہ بات نہیں کرتے تو پھر ہمیں ان کو ایک جگہ مفجوع کرنا چاہیے کیونکہ وہ براہ راست صیہونیوں کے ہاتھوں میں کھیل رہے ہیں۔ وہ براہ راست پاکستان کی ریاست کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

یہ تاریخی اعتبار سے ایک المیہ ہے کہ جو بھی مذہبی سکا لرز پاکستان کی حمایت میں بات کرتے ہیں یہ انہیں قتل کروا دیتے ہیں۔ جیسا پشاور میں مولانا گل حسن تھے۔ انہوں نے خود کش حملوں کے خلاف بات کی تھی اسی لیے انہیں قتل کر دیا گیا۔ بد قسمتی سے ہمارے میڈیا کا کردار بھی زیادہ مثبت نہیں رہا۔

یہ بات واضح کرنا بہت ضروری ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جو جنگ امریکہ لڑ رہا ہے یہ درحقیقت دہشت گردی کے خلاف جنگ نہیں ہے۔ یہ امریکی حکمت عملی کو پورا کرنے کیلئے سوچا سمجھا منصوبہ ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ صرف پروپیگنڈا ہے۔ وہ دراصل چین اور روس کا

گھیراؤ کر رہے ہیں۔ مشرقی یورپ میں اینٹی بلیسک میزائل لگا رہے ہیں۔ دراصل یہ ایک عالمی ایٹمی جنگ کی تیاری کر رہے ہیں۔ پاکستان ایک بہت مستحکم حالت میں ہے لہذا گھبرانے یا ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم امریکہ کی افغانستان میں جاری جنگی جستجو کو ختم کروانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ صرف قوم کو متحد ہونے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح امریکہ کی نئی آنے والی قیادت سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ری پبلکن آئیں یا ڈیموکریٹس صیہونی رابطہ تو امریکہ کی خارجہ پالیسی کا حصہ ہے۔ ہمیں اپنے آپ پر یقین کرنا چوگا۔ افغانستان کی پالیسی کے حوالے سے جو نقصانات ہم نے کیے ہیں اب انکے ازالے کا وقت آ گیا ہے۔

پہلے فیصلے جلدی میں کیے گئے۔ لیکن اب ہمارے پاس وقت ہے، انشاء اللہ اگر ہم درست فیصلے کریں تو عزت و آبرو ہمارے قدم چومے گی۔ پاکستان کی جغرافیائی اہمیت مسلم ہے۔ اگر ہم انکی سپلائیز بند کر دیں تو انہیں چھٹی کا دودھ یاد آ جائے گا۔ بدلتے ہوئے حالات کو بھانپتے ہوئے ہندوستان چاہ رہا تھا کہ امریکہ سے پاکستان پر حملہ کروا دیا جائے۔ اسرائیل چاہ رہا تھا کہ اس کی آڑ میں ہمارا سارا ایٹمی اور میزائل پروگرام ختم کر دیا جائے۔ یہ سب وہ نہیں کر سکے۔ حکومت نے افغانستان میں غلطیاں تو کی ہیں لیکن اس نے پاکستان کے قومی اور ایٹمی اثاثوں کی حفاظت کو بھی یقینی بنایا ہے۔

جس وقت تک ہمارے پاس ایٹمی اسلحہ ہے، اس وقت تک وہ ہمارے ساتھ نہیں لڑ سکتے۔ صرف چھیڑ چھاڑ کر سکتے ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ہمارا ایٹمی اثاثہ ہم سے لے بھی لیا جاتا ہے، جیسا کہ انہوں نے عراق کے ساتھ کیا تو پھر معاملات مختلف ہو سکتے ہیں۔ جب تک ہمارے پاس ایٹمی طاقت ہے ہمیں لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ جب تک ہمارے میزائل اسرائیل کو نشانہ بنا سکتے ہیں اور ان کے اڈوں کو تباہ کر سکتے ہیں تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہے۔ بہر کیف وہ ہمارے اندر خانہ جنگی برپا کروا کر اور پراپیگنڈہ کر کے ہماری ریاست کو نقصان ضرور پہنچا سکتے ہیں۔ ہمارے ذرائع ابلاغ، دانشور، مذہبی راہنما اور عوام اگر اپنا اپنا کردار ادا کرتے رہیں تو پھر پریشانی کی کوئی با

تے نہیں ہے۔ کیونکہ پاکستان 16 کروڑ کی آبادی والا ایٹمی صلاحیت کا حامل ایک مضبوط اور طاقت ور اسلامی ملک ہے۔

